شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ رحیمیہ لاہور

بانی: حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ
قدّس اللّٰہُ سِرّہُ السّعید مسند نشین رابع خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

مدیر اعلیٰ: حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابع

مارچ 2020ء / رجب المرجب ۱۴۴۱ھ جلد نمبر 12، شمارہ نمبر 3 - قیمت: 20 روپے سالانہ ممبرشپ: 200 روپے تین سالہ ممبرشپ: 500 روپے

مجلس ادارت
سرپرست: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن
صدر: مفتی عبدالمتین نعمانی
مدیر: محمد عباس شاد

ترتیبِ مضامین

- حضرت آدمؑ کے لیے رہائش اور کھانے پینے کا انتظام
- عمومی عذاب کے اسباب ونتائج
- حضرت عمرو بن العاصؓ کا فضل وکمال (2)
- معیشت سدھارنے کے حکومتی عارضی اقدامات
- حقیقی کامیابی میں انسانوں کی مختلف استعداد
- پانچویں خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (2)
- اور آئی ایم ایف مان گیا
- مشرقِ وسطیٰ میں امریکی امن منصوبہ!
- دائمی زندگی میں اعمال کے نتائج
- حزب اللہ، حزب الشیطان اور فطرتِ انسانی
- دین کے غلبے کا نظریہ اور منشاءِ الٰہی
- قرضوں کی معیشت اور ناامیدی کا قوم پر تسلط
- شہیدِ مالٹا مولانا حکیم سیّد نصرت حسینؒ
- ملائشیا میں فکرِ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا فروغ
- دینی مسائل

ارشادِ گرامی

حضرت اقدس مولانا **شاہ عبدالقادر** رائے پوری قدس سرہ
مسند نشین ثانی
خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

شام کی مجلس میں راؤ فضل الرحمٰن خاں صاحب نے اَخباری بات سنائی کہ چند روز میں حکومت (برطانیہ) کا (کیبنٹ) مشن لندن سے پھر ہندوستان کے فسادات کے معائنے کے لیے آرہا ہے۔

اس پر حضرت نے ہنس کر فرمایا کہ: ''لو وہ بندر بانٹ لے کر پھر آرہا ہے۔''

حضرت والا نے فرمایا: ''ہم دونوں قومیں (مسلمان اور ہندو) اپنا پُنیر خود بانٹ لیں گے، مگر بندر کو مہربانی کرنی چاہیے اور (ہندوستان چھوڑ کر یہاں سے) چلے جانا چاہیے۔ اب ہم ہرگز ہرگز بندر سے پُنیر نہیں بٹوائیں گے۔ مگر وہ بندر تو ابھی تک پُنیر بانٹ بانٹ کر اپنا پیٹ بھر رہا ہے اور بلیاں آپس میں لڑ رہی ہیں۔''

(۲۹/ذی قعدہ ۱۳۶۵ھ/25/اکتوبر 1946ء، بروز: جمعہ، مقام: رائے پور)

(ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، ص 175، طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور)

ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
0092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org
Email: info@rahimia.org
رحیمیہ کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جاسکتا ہے۔

رقومات کی ترسیل بنام ''ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ ٹرسٹ لاہور'' اکاؤنٹ نمبر 0010030341820010 الائیڈ بینک مزنگ چونگی برانچ لاہور، برانچ کوڈ 0533

www.rahimia.org

درسِ قرآن

تفسیر: شیخ التفسیر مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

حضرت آدمؑ کے لیے رہائش اور کھانے پینے کا انتظام

وَ قُلْنَا یٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَ كُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَا ۪ وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۳۵﴾ (35:2)

(اور ہم نے کہا: اے آدم! رہا کرتُو اور تیری عورت جنت میں اور کھاؤ اس میں جو چاہو، اور پاس مت جانا اس درخت کے، پھر تم ہو جاؤ گے ظالم۔)

گزشتہ آیات میں بتلایا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر خلیفہ مقرر کیا گیا اور فرشتوں سمیت تمام کو حکم دیا گیا کہ وہ انھیں سجدہ کر کے اُن کی حکمرانی تسلیم کریں۔ سوائے شیطان کے سب نے سجدہ کر کے اُنھیں خلیفہ مان لیا۔ اس آیت میں حضرت آدمؑ اور حضرت اماں حوّا کے لیے جنت میں پُرسکون رہائش اور اپنی معاشی احتیاجات کو پورا کرنے کے لیے وافر مقدار میں کھانے پینے کے بہترین انتظام کا ذکر ہے۔

وَ قُلْنَا یٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ: جب حضرت آدمؑ کو زمین میں خلیفہ بنا دیا گیا تو اُن کے لیے رہائش کے لیے ایک ایسے پرسکون مقام کی ضرورت تھی کہ جہاں وہ اور اُن کی بیوی امن واطمینان کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں۔ جنت ایسا مقام ہے، جہاں شدید سردی اور شدید گرمی کے بجائے ایک ایسا معتدل موسم ہوتا ہے، جو انسانی جسم کے لیے سکون وطمانیت کا باعث ہے۔ جسمِ انسانی کی راحت اور اطمینان ہی اُس کی صلاحیتوں کو نکھارتے ہیں۔ چوں کہ ابھی حضرت آدمؑ کی ابتدائی زندگی کا زمانہ ہے، اُن کی جسمانی بہبودیت اور روحانی مَلَکیّت کو مجموعی طور پر ترقی دینے کے لیے ایسے ہی پُرسکون اور امن واطمینان کے مقام کی ضرورت تھی، اس لیے ان دونوں سے کہا گیا کہ وہ جنت کے اس پُرفضا ماحول میں اطمینان وسکون کے ساتھ رہائش اختیار کریں۔

وَ كُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَا ۪: انسان کے لیے دوسری بڑی ضرورت کھانے پینے کی ہوتی ہے۔ انسانی جسم کی طاقت اور قوت کے لیے بہترین اور عمدہ غذا کا ہونا اُس کی نشوونما اور ارتقا کے لیے لازمی اور ضروری ہے۔ جنت وہ بہترین مقام ہے، جہاں لذت بخش کھانے پینے کی بہتات ہے۔ اس لیے حضرت آدمؑ وحوّا سے کہا گیا کہ اس جگہ جہاں سے چاہیں، خوب جی بھر کر کھائیں، تاکہ بہترین غذائیت سے اُن کی تمام عقلی اور عملی قوتیں پروان چڑھیں۔ اُن کی مَلَکی قوت بھی ترقی کرے اور اُن کی بہیمی اور حیوانی قوتیں بھی بھرپور انداز میں نشوونما پائیں۔

حضرت آدمؑ میں مَلَکیت بھی اعلیٰ درجے کی تھی اور بہیمی خصوصیات بھی بہترین گندھی ہوئی، طاقت اور قوت کی حامل تھیں۔ جنت کے اس پُرسکون ماحول میں حضرت آدمؑ کی دونوں قوتیں بھرپور طریقے سے پروان چڑھیں۔ اس طرح انھوں نے ایک ایسے ماحول میں پرورش پائی، جس نے اُنھیں اپنے تمام قوائے طبعیہ اور قوائے مَلَکیہ کے سبب تمام انسانیت کا جدِامجد بنا دیا۔ اُس وقت حضرت آدمؑ اور اماں حوّا کی یہی ضرورت تھی، جسے اللہ تعالیٰ نے پورا فرما دیا اور جنت میں یہ تمام سہولتیں حضرت آدمؑ کو فراہم کیں۔

وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ: انسان کی نشوونما کے لیے پیدائش سے لے کر آخر عمر تک غذاؤں کی ایک خاص ترتیب ہوتی ہے۔ بچپن اور ابتدائی زمانے میں ایسی خوراک کا استعمال کرایا جاتا ہے، جو اُس زمانے کی ضروریات کو بہ خوبی پورا کریں۔ جیسا کہ بچے کو تقریباً دو سال تک ماں کا دودھ پلایا جاتا ہے۔ اس کے بعد نرم خوراک دی جاتی ہے۔ سات آٹھ سال کی عمر کے بچے کے لیے غذاؤں کی اپنی ایک ترتیب ہوتی ہے۔ جوان ہونے کے بعد ایسی غذاؤں کا استعمال ضروری ہوتا ہے، جو بلوغت کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے نسلِ انسانی کے فروغ کے لیے کردار ادا کریں۔

حضرت آدمؑ اور حوّا کو اپنی ابتدائی زندگی کے زمانے میں ایسی خوراک کی ضرورت تھی، جو ابتدائی زندگی کی ضروریات کے مطابق اُن کی جسمانی اور روحانی نشوونما میں کردار ادا کرے۔ اس لیے انھیں گندم یا انگور وغیرہ کی خوراک کھانے سے روک دیا گیا، جو کامل بلوغ کے بعد انسان کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لیے ایک خاص وقت تک یہ ضروری تھا کہ حضرت آدمؑ اور حوّا کو گندم کے اُس درخت کے قریب جانے سے روک دیا جائے، جس سے نسلِ انسانی کے فروغ کی خواہش اور جنسی طاقت وقوت پیدا ہوتی ہے۔

پھر گندم یا انگور کی غذا استعمال کرنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے حصول کے لیے مسلسل جدوجہد اور کوشش کرنی پڑتی ہے۔ محنت ومشقت سے زمین کاشت کرنے، اس کی دیکھ ریکھ کرنے، پوری توجہ سے فصل کاٹنے، گاہنے، اُسے پیسنے اور روٹی پکانے وغیرہ سے متعلق امور بھی اس کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔ ارضی خصوصیات کا حامل یہ درخت جنت کی اعلیٰ اور عمدہ غذاؤں کی لطافت سے تعلق نہیں رکھتا تھا۔ جنت کی لطیف اور نفیس غذائیں روحانیت کی ترقی کا باعث بنتی ہیں، جب کہ گندم یا انگور کا یہ درخت انسان میں ارضی خصوصیات پر مبنی حیوانی تقاضوں کو اُبھارتا ہے۔ اس لیے حضرت آدمؑ اور حوّا دونوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اس درخت کے قریب مت جائیں، ورنہ انھیں جنت سے نکل کر زمین پر جانا ہوگا اور اس سے متعلق غذاؤں کے لیے اس سے وابستہ تمام متعلقہ کام بھی کرنے ہوں گے۔

فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۳۵﴾: اپنے بچپن اور ابتدائی زندگی کے لیے خوراک کا جو چارٹ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے حضرت آدمؑ اور حوّا کو دیا گیا، اس کی پابندی کرنا لازمی تھا۔ اگر اس کی خلاف ورزی کی جائے گی تو نہ صرف یہ اللہ کے خلیفہ کی حیثیت سے ہونے والی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں کوتاہی ہے، بلکہ اُن کے جسمانی نشوونما اور ارتقا کے حوالے سے بھی درست نہیں ہے۔ اللہ کے حکم کو نہ ماننا اور اپنے نفس کے حقوق درست طور پر پورا کرنے میں کوتاہی کرنا ظلم ہے، اس لیے ان دونوں سے کہا گیا کہ اگر تم اس حکم کی خلاف ورزی کرو گے تو تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔ تمھیں خلافتِ ارضی اس لیے دی ہے کہ اللہ کے احکامات پر عمل کرتے ہوئے عدل وانصاف کو دنیا میں غالب کرو اور اگر تم ہی اللہ کے عدل پر مبنی حکم کی خلاف ورزی کرو گے تو اس سے بڑھ کر ظلم اَور کیا ہوگا۔ یہ خلافت کی ذمہ داریوں سے روگردانی کرنا ہے، جو کسی صورت درست نہیں ہے۔

www.rahimia.org

درسِ حدیث

از: مولانا ڈاکٹر محمد ناصر، جھنگ

عمومی عذاب کے اسباب ونتائج

سَمِعَ ابْنُ عُمَرَؓ، يَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ”إِذَا أَنْزَلَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ عَذَابًا أَصَابَ الْعَذَابُ مَنْ كَانَ فِيهِمْ، ثُمَّ بُعِثُوا عَلَى أَعْمَالِهِمْ.“

(سنا حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جب اللہ کسی قوم پر عذاب نازل کرتا ہے تو تمام لوگ اس عذاب کی لپیٹ میں آجاتے ہیں۔ پھر وہ اپنے اپنے اعمال کے مطابق (روزِ قیامت) اُٹھائے جائیں گے۔“) (الصحیح البخاری، 7108)

نبی اکرم ﷺ کے مذکورہ ارشاد سے معلوم ہوا کہ بعض اوقات دنیا میں عمومی عذاب کی نوعیت قائم ہوجاتی ہے۔ ایسا اس وقت ہوتا ہے جب کسی قوم میں نظامِ ظلم قائم ہوجائے۔ خواص اور عوام الناس اس ظالمانہ نظام کی مزاحمت چھوڑ دیں تو ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ اس قوم پر عمومی عذاب مسلط کردیتے ہیں۔ اس گرفت میں وہ لوگ بھی آجاتے ہیں جو خود ذاتی طور پر نیک ہوتے ہیں، لیکن ان کا یہ رویہ ہوتا ہے کہ وہ اس بُرے نظام کے خلاف کسی قسم کا کردار ادا کرنے سے انحراف کی روش اپنائے ہوتے ہیں۔ وہ محض اِنفرادی نیکی اور اِصلاح کو اہمیت دیتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو باطل نظام کی مخالفت سے لاتعلق رکھتے ہیں۔ فرسودہ نظام کے خلاف جدوجہد سے گریزاں رہتے ہیں۔ محض ذاتی نیکی پر قائم رہنے اور صالح نظام کے قیام کی جدوجہد سے بے اعتنائی کے سبب باطل نظام کے اَثرات معاشرے میں غالب آجاتے ہیں۔ قرآن میں ہے: ”اور بچتے رہو اُس فساد سے کہ نہیں پڑے گا، مگر تم میں سے خاص ظالموں ہی پر۔“ (الانفال: 25) یہ آیتِ مبارکہ اسی اَمر کی نشان دہی کرتی ہے کہ جب حکمرانوں کے غلط کردار کی وَجہ سے باطل نظام قائم ہوتا ہے تو اس کے اَثرات محض گناہ گاروں تک محدود نہیں ہوتے، بلکہ عمومی ہوتے ہیں۔

مذکورہ بالا حدیث کے دوسرے حصے میں آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ روزِ قیامت ہر ایک کے ذاتی اعمال کے مطابق محاسبہ ہوگا۔ دنیا میں جس قماش کے لوگوں سے اس کی مناسبت ہوگی، روزِ قیامت انھیں کے ساتھ اس کا حشر ہوگا۔ اسی کو قرآن حکیم نے کہا کہ: ”قیامت کے روز ہم لوگوں کو ان کے لیڈروں اور رہنماؤں کے ساتھ اُٹھائیں گے۔“ (الاسراء: 71)

یوں باطل نظام کی موجودگی میں محض ذاتی نیکی اور انفرادی اِصلاح کا تصور رکھنا اور اپنی ذات میں ہی مگن رہ کر نظام کے خلاف جدوجہد سے گریزاں رہنا بالواسطہ نظامِ باطل کی حمایت متصور ہوتی ہے۔ اس لیے ذاتی اِصلاح کی کوشش کے ساتھ یہ جدوجہد بھی لازمی ہونی چاہیے کہ آپ کے گردوپیش کا ماحول اور ملک کا نظام درست ہوجائے۔ اجتماعیت کو فروغ ہو اور حقوق قائم ہوجائیں، تاکہ اللہ کی ناراضی سے قوم بچ سکے۔ ورنہ قوم پر جب اجتماعی گناہوں کے سبب عذاب آتا ہے تو وہ پوری قوم کو گھیر لیتا ہے۔ اس لیے اجتماعی گناہوں سے بچنے کے لیے اجتماعی جدوجہد ضروری ہے۔

صحابہؓ کا ایمان افروز کردار

مولانا قاضی محمد یوسف، حسن ابدال

حضرت عمرو بن العاصؓ کا فضل وکمال (2)

قرآن مجید بہت سے علوم وفنون کا مجموعہ ہے۔ اس کی قرأت بھی مستقل فن ہے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ کو قرآن سے خاص لگاؤ تھا۔ آپؓ قرآن بہت صاف اور واضح پڑھتے تھے۔ انھیں قرآن حکیم کے علوم وفنون سے خاص مناسبت تھی اور اس کا سیاسی فہم و بصیرت خوب حاصل تھا۔

اگرچہ آپؓ کو لڑائیوں میں شرکت کی وجہ سے آں حضرتؐ کے ساتھ رہنے کا موقع کم ملا، تاہم جو لمحات بھی میسر آئے، ان میں خوشہ چینی سے غافل نہ رہے اور اقوالِ نبویؐ کی روایات کی خاصی تعداد ان کے حصے میں آئی۔ آپؓ کی مرویات کی کل تعداد 39 ہے۔ ان میں تین متفق علیہ یعنی بخاری اور مسلم میں ہیں اور ایک روایت میں امام بخاری اور تین میں امام مسلم منفرد ہیں۔ (تہذیب الکمال، ص: 290) انھوں نے حدیث کے اس سرمائے کو تنہا اپنی ذات تک محدود نہ رکھا، بلکہ دوسرے مسلمانوں تک پہنچایا۔ آپؓ کے مستفیدین کی تعداد بھی کافی ہے۔ آپؓ نے احادیثِ نبویہؐ سے حکمرانی کے گُر سیکھے۔

آپؓ دینِ اسلام کے غلبے کے لیے جنگی مصروفیات میں مشغول رہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ تعلیم وتلقین کا فرض بھی انجام دیتے تھے۔ چناں چہ ’سریۂ ذات السلاسل‘ میں کامیابی کے بعد وہیں مقیم ہوکر نومسلموں کو تعلیم دیتے رہے۔ آں حضرتؐ کے بعد جب دنیا طلبی کی ہوس زیادہ ہوگئی تھی، اس وقت لوگوں کے سامنے تقریر کرتے اور ان کو اسوۂ نبویؐ کی پیروی کی ہدایت کرتے تھے۔ حضرت علی بن رباحؒ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمرو بن العاصؓ منبر پر تقریر کررہے تھے کہ: ”آج تم لوگوں کا حال یہ ہورہا ہے کہ آں حضرتؐ جن چیزوں سے احتراز فرماتے تھے، تم ان کی طرف راغب ہورہے ہو اور دنیا کی تمنا کرتے ہو، حال آں کہ رسول اللہؐ اس سے کنارہ کشی اختیار فرماتے تھے۔“

۲۱ھ میں اسکندریہ، مصر فتح ہوا تو وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک تصویر تھی۔ تصویر اسلام میں ناپسندیدہ امر ہے۔ اس بنا پر کسی مسلم سپاہی نے اپنے تیر سے تصویرِ عیسیٰ کی ایک آنکھ پھوڑ ڈالی۔ اس پر عیسائیوں کو تکلیف ہوئی، جس کی وجہ سے عیسائیوں نے حضرت عمرو بن عاصؓ کے پاس مقدمہ کیا۔ پھر مطالبہ کیا کہ حضرت محمدؐ کی ایک تصویر بنا کر ان کو دی جائے، تاکہ وہ بھی ان کی ایک آنکھ پھوڑ ڈالیں۔ حضرت عمروؓ نے جواب دیا: ”تصویر کی کیا ضرورت ہے؟ ہم لوگ موجود ہیں، تم جس کی آنکھ چاہو، پھوڑ ڈالو۔“ پھر اپنا خنجر ایک عیسائی کے ہاتھ میں دے کر اپنی آنکھیں سامنے کردیں۔ یہ سن کر عیسائی کے ہاتھ سے خنجر گر پڑا اور وہ اپنے دعوے سے یہ کہہ کر دست بردار ہوگیا کہ: ”جو قوم اس درجہ دلیر، فیاض، انصاف پسند اور فراخ دل ہو، اس سے انتقام لینا بے رحمی اور بے قدری ہے۔“ (خطباتِ شبلی، ص: 73، 74) حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے یہ دعا تین بار فرمائی: ”اے اللہ! عمرو بن عاص کی مغفرت فرما۔ کیوں کہ جب بھی میں نے انھیں صدقہ دینے کے لیے بلایا، وہ ہمیشہ میرے پاس صدقہ لے کر آئے۔“

www.rahimia.org

شذرات

معیشت سُدھارنے کے حکومتی عارضی اقدامات

گزشتہ دنوں وزیراعظم نے اپنے منصوبے 'احساس آمدن پروگرام' کا باقاعدہ لیہ شہر سے افتتاح کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اس پروگرام کے ذریعے غربت پر قابو پالیا جائے گا۔ اور یہ کہ احساس پروگرام غریبوں کی محرومیوں کے خاتمے کا آغاز ہے۔

جیسا کہ ہر باشعور پاکستانی جانتا ہے کہ یہ پروگرام اپنی نوعیت میں کوئی منفرد پروگرام نہیں ہے۔ اس سے قبل پاکستان میں اقتدار حاصل کرنے والی ہر جماعت نے اپنی حکومت قائم ہوجانے کے بعد غریبوں کو نام نہاد سپورٹ کرنے کے اس طرح کے پروگرام لانچ کیے، لیکن اصل بات غربت جیسے موذی مرض کا کامیاب علاج تلاش کرنا ہے۔ اصل سوال یہ ہے کہ کیا ان عارضی بیساکھیوں کے ذریعے سے پاکستان کی معیشت کو درپیش چیلنجز کو مستقل طور پر حل کیا جاسکا ہے؟ پاکستان کی تاریخ تو یہ بتاتی ہے کہ ان مہنگے منصوبوں سے یہ چیلنجز مزید گہرے ہوتے چلے گئے ہیں۔ پھر ہر نئی آنے والی حکومت گزشتہ حکومت کے اس طرح کے منصوبوں میں بے ضابطگیوں اور کرپشن کی نشان دہی کرتی رہی ہیں۔ جیسا کہ موجودہ حکومت گزشتہ حکومت کے غربت کے خاتمے یا عوامی بہبود کے منصوبوں میں وسیع پیمانے پر ہونے والے فراڈ کی نشان دہی کرچکی ہے۔

اس طرح کے پروگراموں کو ہر حکومت کو میسر آنے والے معاشی بقراط بہت بڑھا چڑھا کر پیش کرتے رہے ہیں۔ وہ پاکستانی معیشت کو لاحق سارے امراض کا واحد حل اسی طرح کے عارضی اور وقتی منصوبوں کو قرار دیتے رہے ہیں۔ ہمارے ملک کے معاشی صلاح کار بھی چند ایک ہی ہیں، جو نئی حکومت کو قرضوں کے ساتھ ہی وراثت میں منتقل ہوجاتے ہیں۔ حکومت بدلنے کے ساتھ ہی وہ بھی اپنی وفاداریاں بدل لیتے ہیں اور ہر حکومتِ وقت کی معاشی پالیسیاں انھیں کی مرہونِ منت ہوتی ہیں۔ یہ لوگ حکومت اور پاکستان سے زیادہ عالمی مالیاتی اداروں کے طرف دار ہوتے ہیں۔ ہمارے یہ معاشی منتظمین، جو دراصل عالمی مالیاتی اداروں کے مالیاتی وائسرائے کا کردار ادا کررہے ہوتے ہیں، ہماری ہر حکومت کو آئی ایم ایف کے دورازے پر لے جاتے ہیں۔ ان کے ہاں معیشت کو مضبوط کرنے کا واحد ذریعہ قرض کی معیشت ہوتی ہے۔ یہ حکومتوں کو قرض کی ایسی لت ڈال دیتے ہیں کہ ہر آنے والی حکومت اپنی پیش رو حکومت سے کسی اَور میدان میں سبقت لے جائے یا نہ لے جائے، لیکن قرضوں کے معاملے میں ضرور سبقت لے جانے کی کوشش کرتی ہے۔ ہمارے ان معاشی بقراطوں نے ہمیشہ حکومت کی اُنگلی پکڑ کر آئی ایم ایف کے دروازے پر دستک دی ہے۔ انھوں نے حکومتوں کو قرضوں کی پالیسیوں میں ایسا پھنسایا ہے کہ اب یہ جال ہماری ریاست کے چاروں طرف بُنا جاچکا ہے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ 1988ء سے لے کر 2009ء تک اسٹیٹ بینک آف پاکستان کے تمام گورنر اس عہدے پر فائز ہونے سے پہلے آئی ایم ایف کے کل وقتی ملازم اور مشیر رہ چکے ہیں۔ تعجب انگیز بات یہ ہے کہ ان میں سے تین گورنرز نے تو آئی ایم ایف میں بڑی بڑی تنخواہوں والے عہدے چھوڑ کر اسٹیٹ بینک آف پاکستان کے گورنر کا عہدہ قبول کیا۔ درحقیقت آئی ایم ایف کے منصوبہ سازوں اور چھوٹے ممالک میں پائے جانے والے ان بقراطوں کے آپس میں گہرے تعلقات ہوتے ہیں۔ کیوں کہ یہ لوگ انھی عالمی مالیاتی اداروں کے تیار کردہ اور ان کے اہداف پر کام کررہے ہوتے ہیں۔ یہ تیسری دنیا کے ممالک کی مالی اور اقتصادی پالیسیوں پر اس طرح سے اثرانداز ہوتے ہیں کہ ان ملکوں کی معیشت اور مالی نظام کو یہ عالمی مالیاتی اداروں کے معاشی مفادات کے مطابق ڈھالنے کا کام کرتے ہیں۔

آئی ایم ایف تیسری دنیا کے ممالک میں معیشت کی بحالی کا جو نسخہ تجویز کرتا ہے، وہ دراصل اس ملک کے معاشی بحران کے خاتمے کے لیے نہیں ہوتا، بلکہ وہ اس ملک کے معاشی وسائل کو نچوڑنے اور اس کی آمدن پر اپنی گرفت کو مزید مضبوط کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ آئی ایم ایف جیسے عالمی ساہوکاروں کو عوام کی تکلیف اور مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی، بلکہ ان کو اپنے سود سے غرض ہوتی ہے۔ بلکہ المیہ یہ ہے کہ یہ جدید دور کے عالمی ساہوکار نہ صرف اپنے سود ہی سے دلچسپی رکھتے ہیں، بلکہ یہ اپنے قرض خواہ ممالک کو ڈکٹیشن بھی دیتے ہیں اور قرض دار ملک کی عوام کی چمڑی اُدھیڑنے، ٹیکسوں اور بلز میں اضافے اور ٹیکسوں کی وصولی کے جدید ترین نظام بھی بنا کر دیتے ہیں۔ جن ملکوں نے بھی آئی ایم ایف سے قرض لیا، وہ اس کے چنگل میں پھنس چکے ہیں۔ کیوں کہ وہ سود در سود کے جال میں ایسا پھنس جاتے ہیں کہ آئی ایم ایف انھیں جتنا قرضہ فراہم کرتا ہے، اس سے بہ مشکل وہ اپنے پہلے بیرونی قرضوں کی اقساط ادا کرپاتے ہیں۔ ایشیا کے بہت سے ممالک اپنے اخراجات پورا کرنے کے لیے آئی ایم ایف سے قرضہ لیتے لیتے نہ صرف مقروض ہوچکے ہیں، بلکہ وہ اپنی خودمختاری بھی داؤ پر لگا چکے ہیں۔ پاکستان 1950ء میں آئی ایم ایف کا رُکن بنا۔ اس وقت سے پاکستان کی معیشت اور اس کی پالیسیاں مکمل طور پر آئی ایم ایف کے کنٹرول میں ہیں۔ گزشتہ چار دہائیوں میں آئی ایم ایف نے پاکستان میں موجود اسی طبقے کے ذریعے سے — جو ہر حکومت کو معاشی مشکلات سے نکالنے کے لیے مشاورت فراہم کرتا ہے — یہاں کے بنیادی معاشی ڈھانچے پر کنٹرول حاصل کرلیا ہے۔ ہماری تجارت، بینک، معاشی ادارے اور صنعتی ڈھانچہ مکمل طور پر آئی ایم ایف کے معاشی مفادات کے مطابق ڈھل چکا ہے۔ اب اس سے آزادی کے لیے کسی بڑے فیصلے کی ضرورت ہے، جو ہماری ان حکومتوں کے بس کا روگ نہیں۔ اس کے بغیر آئی ایم ایف کے چنگل سے نکلنا دیوانے کی بڑ کے سوا کچھ نہیں۔

موجودہ حکومت کے وزیراعظم سابقہ حکومتوں کے خلاف اپنے دھرنوں میں آئی ایم ایف کے خلاف بہت تقریریں کیا کرتے تھے، لیکن بالآخر ان کے معاشی بقراطوں نے انھیں آئی ایم ایف سے قرضہ لینے کے لیے گھیر ہی لیا۔ موجودہ حکومت اب تک اس سے 6.73 بلین ڈالرز قرضہ لے چکی ہے اور قرضوں کی معیشت سے وہ ملک کو خوش حال بنانے کے خواب بھی دیکھ رہی ہے۔ بہ قول غالب ؎

قرض کی پیتے تھے مے لیکن سمجھتے تھے کہ ہاں
رنگ لاوے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن (مدیر)

www.rahimia.org

حقیقی کامیابی میں انسانوں کی مختلف استعداد

مترجم: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ "حُجّۃُ اللّٰہِ البالِغہ" میں فرماتے ہیں:

[دنیاوی ترقی اور کامیابی کے اَخلاق کے درجات]

"جاننا چاہیے کہ شجاعت وغیرہ تمام اَخلاق میں انسان مختلف ہوتے ہیں:

(1) ایک انسان وہ ہے کہ اپنی اصل جبلت میں کسی خرابی کے سبب کوئی خُلق نہیں رکھتا۔ مثلاً خواجہ سرا اور انتہائی کمزور دل آدمی کبھی بہادر نہیں ہوسکتا۔

(2) ایک انسان اپنی اصل جبلت میں خُلق رکھتا ہے، لیکن اُس میں وہ خُلق موجود نہیں۔ البتہ اگر وہ کسی خُلق سے متعلق مناسبت رکھنے والے اقوال، افعال اور اعمال کی مشق کرلے اور اُس خُلق کے حامل لوگوں کی باتیں اور اُن کے ثابت قدمی کے واقعات اور اقدامات کو یاد رکھے تو وہ اُس خُلق کو حاصل کرسکتا ہے۔

(3) ایک انسان وہ ہے، جس میں پیدائشی طور پر اصل خُلق موجود ہوتا ہے۔ اُس کے اعمال وافعال سے اُس خُلق کا ہمیشہ اظہار ہوتا ہے۔ اُسے ان کاموں سے باز رہنے کا حکم دیا جائے تو وہ اُسے پسند نہیں کرتا۔ اس پر وہ غصے کا اظہار کرتا ہے اور خاموش رہتا ہے۔ اگر اُسے اُس کی جبلت کی مناسبت سے اُس خُلق سے متعلق اعمال کا حکم دیا جائے تو وہ گندھک کو آگ دکھانے کے مترادف ہوتا ہے۔ چناں چہ وہ فوراً اپنے مطلوبہ خُلق کے مطابق کام کرنے کے لیے تیار ہوجاتا ہے۔

(4) ایک انسان وہ ہے کہ جس میں اصل خُلق پیدائشی طور پر بہت کامل اور وافر صورت میں ہوتا ہے۔ وہ لازمی طور پر بڑی پھرتی سے اُس کے تقاضوں پر عمل کرتا ہے۔ اگر اُسے مثلاً بزدلی اختیار کرنے کا مشورہ دیا جائے تو وہ اُسے قطعی قبول نہیں کرتا۔ وہ کسی دعوت کے بغیر ہر طرح کے ماحول کے دباؤ سے بالاتر ہوکر طبعی طور پر اُس خُلق کی مناسبت رکھنے والے اعمال اور کیفیات کا اظہار کرتا ہے۔

ایسا انسان اُس خُلق کا "امام" اور رہنما ہوتا ہے۔ اُسے کسی دوسرے امام اور قائد کی اتباع کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اُس سے کم تر درجے کے لوگ اس خُلق کے حوالے سے اُس کے جاری کردہ طور طریقوں کی پابندی سے پیروی کرتے ہیں۔ اس کے حالات و واقعات کی نقل کرتے ہیں۔ اس خُلق کے عملی اظہار سے متعلق واقعات ایک دوسرے کو سناتے ہیں، تاکہ وہ اپنی استطاعت کے مطابق اپنے اندر متوقع خُلق میں کمال حاصل کرنے کے لیے کوشش کریں۔

[حقیقی سعادت اور ترقی کے اَخلاق کے درجات]

اسی طرح حقیقی سعادت اور کامیابی کے خُلق میں بھی انسانوں میں اختلاف ہوتا ہے:

(1) ایک انسان وہ ہے کہ جس میں حقیقی کامیابی حاصل کرنے کی صلاحیت سِرے سے ہی موجود نہیں ہوتی۔ مثلاً حضرت خضرؑ نے جس بچے کو قتل کیا تھا کہ وہ (اپنی اصل جبلت میں) پیدائشی طور پر ہی کافر تھا (جیسا کہ سورت کہف آیت 74 میں ہے)۔ ایسے ہی لوگوں کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے:

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۸﴾ (18:2)

(بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، سو وہ نہیں لوٹیں گے)

(2) دوسرا وہ انسان، جس کی اصل جبلت میں حقیقی سعادت اور کامیابی کا خُلق تھا، لیکن عملی طور پر موجود نہیں، وہ اگر اپنے نفس کا مواخذہ کرتے ہوئے مشقت والی ریاضتیں کرے اور ہمیشہ نیک اعمال کرتا رہے تو وہ اسے حاصل کرسکتا ہے۔ ایسے لوگ انبیا علیہم السلام کی دعوت اور اُن کے جاری کردہ طریقوں کے محتاج ہوتے ہیں۔ دنیا کے اکثر انسان اسی دوسری قسم سے تعلق رکھتے ہیں۔ انبیا علیہم السلام کی بعثت کا مقصد ایسے ہی لوگوں کو براہِ راست مخاطب کرنا ہوتا ہے۔

(3) تیسری قسم کے لوگ وہ ہیں کہ جن میں حقیقی سعادت اور کامیابی کا خُلق اجمالی طور پر موجود ہوتا ہے۔ وہ طبعی طور پر اس نیکی اور سعادت کے حصول کا اظہار کرتے رہتے ہیں، مگر یہ کہ انھیں اُس خُلق کی مناسبت سے وجود میں آنے والے اعمال اور احوال کی تفصیل اور اُس کے نظام کو سمجھنے کے لیے ایک امام اور رہنما کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ (35:24) (قریب ہے اس کا تیل کہ روشن ہوجائے، اگرچہ نہ لگی ہو اس میں آگ)۔ یہی وہ لوگ ہیں، جنھیں "سابقین" کہا گیا ہے۔

(4) چوتھی قسم انسانوں میں انبیا علیہم السلام کی ہے۔ وہ حقیقی کامیابی کے خُلق کے انتہائی اعلیٰ کمال کا اظہار اور اُس سے مناسبت رکھنے والے اعمال و احوال اختیار کرتے ہیں۔ حقیقی سعادت سے متعلق جو اعمال لوگوں میں نہیں ہوتے، انھیں حاصل کرنے کے طریقے سمجھاتے ہیں۔ جو صحیح عمل موجود ہوتا ہے، اُسے باقی رکھتے ہیں۔ جو ناقص اور ادھورا ہوتا ہے، اُسے پورا کرتے ہیں۔ وہ یہ کام کسی دوسرے امام اور اُس کی رہنمائی کے بغیر کرتے ہیں۔ چناں چہ حقیقی سعادت سے متعلق اُن کی جبلت کے تقاضوں سے جاری ہونے والے طور طریقوں کا ایک مکمل نظام وجود میں آجاتا ہے۔ باقی لوگ انبیّا کے جاری کردہ اس نظام کو اپنے لیے عملی دستور بناتے ہیں اور انھیں یاد رکھتے ہیں۔ کیوں ایسا نہ ہو؟ حال آں کہ جمہور انسان لوہا سازی، فرنیچر سازی وغیرہ جیسے پیشوں میں ان شعبوں کے ماہرین کی اتباع کیے بغیر کامیاب نہیں ہوسکتے۔ تو پھر تمھارا کیا خیال ہے کہ حقیقی کامیابی سے متعلق مطلوبہ معزز اَخلاق کی صحیح رہنمائی ان بلند مرتبہ انبیّا کی اتباع کے بغیر کیسے ممکن ہے؟ اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ انبیّا کی اتباع کرنا لوگوں کی انتہائی شدید ضرورت ہے۔ اُن کے طور طریقوں کی اتباع کرنا اور اُن کی احادیث اور فرامین پڑھنے اور سمجھنے میں مشغول ہونا ضروری ہے۔ واللہ اعلم" (باب اختلاف النّاس فی السّعادۃ)

www.rahimia.org

مفتی محمد اشرف عاطف، لاہور

پانچویں خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (2)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی بیوی فاطمہ کہتی ہیں کہ ایک دن میں نے دیکھا کہ مصلّے پر بیٹھے ہیں اور رو رہے ہیں۔ میں نے پوچھا: کیا ہوا؟ تو کہنے لگے: ''میں مسلمانوں کا حاکم بنایا گیا ہوں اور مجھے یہ احساس دامن گیر ہے کہ معاشرے کے مظلوم اور مقہور افراد بھوک کے ستائے ہوئے، مریض، شکستہ دل، بے سہارا بیوہ اور دیگر کمزور طبقوں کے حقوق کی ادائیگی میں اگر مجھ سے کوتاہی ہوگئی اور قیامت کے دن اللہ نے پوچھ لیا تو اس کا کیا جواب دوں گا!! اس احساس نے مجھے بے چین کر رکھا ہے۔'' (البدایہ والنہایہ، ج:9، ص:201)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فقہا اور محدثین کی سرکاری سرپرستی کی۔ علمی مراکز میں کام کرنے والے حفاظ، قراء، محدثین اور فقہا کا بیت المال سے وظیفہ مقرر کیا۔ (البدایہ، 9/207) احادیث کی تدوین کے سلسلے میں ایک فرمان جاری فرمایا کہ: ''بڑے بڑے علمی مراکز میں موجود محدثین احادیث کو جمع کریں۔'' چناں چہ آپؒ کی کوششوں کے نتیجے میں ''مؤطا امام مالک'' ایسی معتبر حدیث کی کتاب تالیف ہوئی۔ اس طرح تدوینِ حدیث کے دوسرے دور کا آغاز ہوا۔ آپؒ ہی کے حکم سے خطبائے مساجد کو یہ فرمان جاری کیا گیا کہ وہ قرآن حکیم کی مشہور آیت جو سماجی و معاشی عدل و انصاف پر مشتمل ہے: ''إنّ اللّٰہ یأمر بالعدل و الإحسان الخ'' (90:16) کو خطبہ جمعہ کا حصہ بنائیں۔ چناں چہ اس وقت سے آج تک یہ آیت جمعہ کے خطبات کا حصہ ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خلافت کا زمانہ ڈھائی سال پر مشتمل ہے۔ آپؒ کو رعایا کے بنیادی حقوق دلانے اور اُن کو سماجی و معاشی انصاف فراہم کرنے اور خود نہایت سادہ زندگی بسر کرنے کی بنا پر ''خلیفہ راشد'' کہا گیا ہے۔ کیوں کہ آپؒ کی خلافت خلفائے راشدینؓ کی خلافت کے مشابہ تھی۔

زکوٰۃ، لگان اور جزیہ کی وصولی کے لیے مقرر بعض سرکاری اہل کار کرپشن کرتے تھے۔ سرکاری مال میں خورد برد کرتے تھے۔ اس کا علم اگرچہ حُکّامِ بالا کو تھا، لیکن وہ احتساب کرنے پر قادر نہ تھے۔ افسرانِ بالا میں سے اگر کوئی اُس بدعنوان اہل کار کی شکایت کرتا تو اُس کی زندگی کا قافیہ تنگ کر دیا جاتا۔ آپؒ نے اقتدار میں آتے ہی مالی کرپشن ختم کی۔ آپؒ کا بددیانت اہل کاروں کے بارے میں یہ مؤقف تھا کہ پہلے کرپشن کے بارے میں تحقیق کی جائے۔ اگر ثابت ہو جائے تو اس کو سزا دی جائے اور کرپشن زدہ سرمایہ ان سے وصول کیا جائے۔ وہ اپنے ماتحتوں سے اس بات کے خواہش مند نہ تھے کہ ان کی ہر ایک جائز و ناجائز بات کی تائید کی جائے۔ وہ خلیفہ کو رعایا کا حکمران اور فرماں روا نہیں، بلکہ ایک شفیق باپ سمجھتے تھے۔ آپؒ کے عہد میں بہت سے غیر مسلموں نے از خود خوش دلی کے ساتھ اسلام قبول کیا۔ آپؒ کی حکومت کی حدود سندھ، پنجاب، ترکستان سے لے کر مراکش و اندلس تک وسیع تھیں۔ آپؒ کا انتقال ۲۵ رجب ۱۰۱ھ/ 5 فروری 720ء کو ہوا۔ آپؒ کے انتقال پر نہ صرف مسلمان ماتم کناں تھے، بلکہ غیر مسلم، عیسائی و یہودی بھی سوگوار تھے۔ اور یوں کہتے تھے کہ آج عدل قائم کرنے والا دنیا سے اُٹھ گیا۔

محمد کاشف شریف، راولپنڈی

اور آئی ایم ایف مان گیا

پاکستان کا سب سے بڑا مسئلہ قرض اور اس پر سود کی ادائیگی ہے۔ چناں چہ وزارتِ خزانہ کی حالیہ رپورٹ کے مطابق مالی سال 20-2019ء کے نصف اوّل کے دوران ٹیکس اور دیگر ذرائع سے وصول کی جانے والی آمدن 2,280 ارب روپے میں سے 1,300 ارب روپے صرف قرضوں پر سود کی ادائیگی پر صرف کیے گئے ہیں، جو کُل آمدن کا 57 فی صد بنتا ہے۔ یہ ایک غیر معمولی رقم ہے۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ یہ وسائل ترقیاتی کاموں پر خرچ ہوتے اور لوگوں کو روزگار ملتا، لیکن سرمایہ دارانہ نظام نتائج کے اعتبار سے اس قدر سفاک ہے کہ اکیس کروڑ انسانوں سے وسائل تو ٹیکسز کی مد میں اکٹھے کر لیے جاتے ہیں، لیکن اُن کو گنتی کے چند بینکوں کو سود کی مد میں ادا کر دیا جاتا ہے اور غریب یوں ہی سسک سسک کے زندگی گزارنے پر مجبور رہتا ہے۔ مذکورہ سود میں مقامی بینکوں کو 1,100 ارب روپے ادا کیے گئے ہیں۔ یہ وہی بینک ہیں، جن کے مالکان دن رات معاشی سست روی اور زوال کا رونا روتے نہیں تھکتے۔

معاشی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ حکومت ترقیاتی کاموں پر خرچ کرے۔ اس کے علاوہ شرحِ سود کم سے کم ہو، تاکہ نجی شعبہ اپنے منصوبوں کے لیے آسان اقساط پر قرض لے سکے۔ لیکن بلند شرحِ سود جو مہنگائی کی شرح کو مدِنظر رکھ کر طے کی جاتی ہے، نہ صرف مقامی سطح پر، بلکہ پوری دنیا سے سرمائے کو کھینچتی ہے۔ چناں چہ گزشتہ ایک سال میں بینکوں نے مقامی سطح پر تقریباً 1,000 ارب روپے اور بین الاقوامی سرمایہ کاروں سے 3 ارب ڈالر کی اضافی رقوم وصول کی ہیں، جن کو حکومتِ پاکستان نے قرض کے طور پر حاصل کر کے اپنی بجٹ کی ضروریات پوری کی ہیں۔ ان ضروریات میں سب سے بڑی سود کی ادائیگی ہے۔ گویا پوری قوم دن رات لگا کر ان سرمایہ کاروں کے منافع اور سود خوری کے لیے کام کر رہی ہے، جس کا ڈالروں والا حصہ بالآخر باہر چلا جائے گا اور ہمارے ہاتھ صرف اس رقم کی پارکنگ کا وقت آئے گا۔ گویا اُن ڈالروں کی پارکنگ کی فیس پوری قوم اپنی خون پسینے کی کمائی سے ادا کرے گی۔

آئی ایم ایف کے حالیہ جائزے پر خیال کیا جا رہا تھا کہ اہداف کے تعاقب میں ٹیکسز بجلی، گیس اور ایندھن میں مزید اضافہ کر دیا جائے گا، جس کے نتیجے میں مہنگائی میں اضافہ ہوگا اور معیشت کی سست روی برقرار رہے گی۔ لیکن اس جائزے کے اختتام پر حکومت اور آئی ایم ایف کے مابین یہ طے پایا کہ کوئی نیا ٹیکس نہیں لگایا جائے گا، بجلی کی قیمتوں میں بھی اضافہ نہیں کیا جائے گا اور غیر ٹیکس آمدن کے ذریعے مالیاتی خسارا پورا کیا جائے گا۔ یہ خبر مجموعی معیشت کے لیے اچھی ہے۔ عالمی سطح پر تیل کی قیمتوں میں کمی کا رجحان، تجارتی خسارے میں کمی کا موجودہ رجحان، بیرونِ ملک پاکستانیوں کی ترسیلاتِ زر میں تسلسل اگلے چھ ماہ میں پاکستان اتنا زرِمبادلہ دے پائے گا کہ بیرونِ ملک ادائیگیوں کو کسی بڑے بحران کے بغیر ممکن بنایا جا سکے گا۔ (بقیہ ص:7 پر)

www.rahimia.org

مرزا محمد رمضان، راولپنڈی

مشرقِ وسطیٰ میں امریکی امن منصوبہ!

(دو ریاستی فارمولا؛ بیت المقدس: ابودس)

27/جنوری 2020ء کو امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے امریکی دارالحکومت واشنگٹن وائٹ ہاؤس میں 80 صفحات پر مشتمل مشرقِ وسطیٰ میں قیامِ امن منصوبے کا اعلان کردیا۔ 28/جنوری 2020ء کی ''گارڈین'' کی رپورٹ کے مطابق صدر کا کہنا ہے کہ: ''اسرائیل فلسطین تنازع'' جو کئی دہائیوں پر پھیلا ہوا ہے، حل کرنے کے لیے ہم نے تین سال تک انتھک محنت کی ہے۔ امن منصوبے کو حقیقی بنیاد پر استوار کرنے کے لیے ''دو ریاستوں کے قیام'' کو عملی شکل دی گئی ہے۔ اسرائیل کا دارالحکومت بیت المقدس اور وہ تمام فلسطینی علاقے قرار دیے گئے ہیں، جن پر 1967ء کی جنگ یا اس سے پہلے اور بعد میں قبضہ کیا گیا تھا۔ جب کہ اس کے مشرق میں واقع ''ابودس'' (Abu Dis) فلسطین کا دارالحکومت بنانے کی تجویز ہے۔ امریکی منصوبے کو ''صدی کی ڈیل'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ٹرمپ کا کہنا ہے کہ اس نے دنیا کا ''قدیمی تنازع'' حل کردیا ہے۔ منصوبے کے مختلف پہلوؤں پر اظہار کرتے ہوئے ٹرمپ نے کہا کہ: ''اسرائیل نے آج امن کی سمت میں بہت بڑا قدم اٹھایا ہے۔'' منصوبے کو حتمی شکل دیتے ہوئے فریقین کے مفادات کا مکمل تحفظ کیا گیا ہے۔ گزشتہ تین سالوں کے دوران عرب حکمرانوں کے ساتھ کئی مرتبہ طویل ترین مذاکرات کیے گئے، جس کے نتیجے میں دو ریاستی فارمولا سامنے آیا ہے۔ ٹرمپ کا کہنا ہے کہ: ''فلسطینی ریاست کے قیام میں ہی اسرائیل کا تحفظ ممکن ہے۔'' 28/جنوری 2020ء کی بی بی سی کی رپورٹ کے مطابق منصوبے کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

1۔ امریکا نے منصوبے میں جن علاقوں پر مشتمل اسرائیلی ریاست تشکیل دی ہے، وہی اسرائیل کہلائے گا۔ اسرائیلی علاقوں کو ایک تصوراتی نقشے کے ذریعے نمایاں کیا گیا ہے۔

2۔ موجودہ فلسطینی علاقوں کو بڑھا کر دوگنا کردیا گیا ہے اور اس کا دارالحکومت یروشلم کے مشرق میں واقع ابودس (Abu Dis) ہوگا۔ وہاں امریکی سفارت خانہ بھی قائم کیا جائے گا۔ PLO جسے ''تاریخی فلسطین'' قرار دیتی ہے، آئندہ اس کے 15 فی صد علاقے کا انتظام فلسطینیوں کے پاس ہوگا۔

3۔ یروشلم ''اسرائیل کا غیر منقسم دارالحکومت برقرار رہے گا''۔ اسرائیل اور فلسطینیوں کا مقدس شہر پر دعویٰ بھی برقرار رہے گا۔ فلسطینیوں کا اصرار ہے کہ مشرقی یروشلم، جس پر 1967ء میں مشرقِ وسطیٰ کی جنگ کے نتیجے میں اسرائیل نے قبضہ کیا تھا، مستقبل میں اسے ان کا دارالحکومت بنایا جائے۔

4۔ فلسطینیوں کے لیے ''اپنی آزاد ریاست حاصل کرنے کا یہ سنہری موقع'' ہوگا۔

5۔ فلسطینی یا کسی اسرائیلی کو بے گھر نہیں کیا جائے گا۔ تجویز ہے کہ دریائے اُردن کے مغربی کنارے یہودی بستیاں آباد رہنے دی جائیں۔

6۔ اسرائیل اُردن کے بادشاہ کے ساتھ مل کر کام کرے گا اور رواں صورتِ حال (Status Quo) کو یقینی بنائے گا۔ یہودیوں کے لیے یروشلم کا ہیکل ماؤنٹ مقدس مقام ہے اور مسلمان اسے الحرم الشریف سمجھتے ہیں۔ اُردن علاقے کی مذہبی رسومات کے حالیہ نظام کو برقرار رکھے گا۔

7۔ ٹرمپ کے تجویز کردہ نقشے میں فلسطینیوں کو جو علاقے تفویض کیے گئے ہیں، الجزیرہ ٹیلی ویژن کی اسی روز کی نشریات کے مطابق انھیں ان کی حالیہ کیفیت میں آئندہ چار سال تک قائم رکھا جائے گا۔ مقدس مقامات زائرین کے لیے کھلے رہیں گے۔ اس عرصے میں فلسطینیوں کے لیے ''صدی کی ڈیل'' کا مطالعہ، اسرائیل سے افہام و تفہیم کے ذریعے ایک آزاد ریاست کے طور پر کام کرنے کا بہترین موقع ہوگا۔

8۔ گارڈین اخبار کے مطابق منصوبے کی ایک خصوصیت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ اسے وضع کرنے والا امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کا داماد جرید کوشنر (Jared kushner) ہے۔

9۔ ٹرمپ کا الزام ہے کہ ''فلسطینی اپنے آقاؤں کے ایما پر طویل عرصے سے آلہ کاری کا کردار ادا کررہے ہیں، جس کے باعث انھوں نے تشدد کا راستہ اختیار کرلیا۔ نتیجے میں وہ غربت اور افلاس میں مبتلا ہوگئے اور آج ریاست چلانے کی اہلیت بھی کھو بیٹھے ہیں۔ حال آں کہ ایک بہتر زندگی کا حصول ان کا بنیادی حق ہے۔''

اسرائیل نے اپنے حواریوں (یورپین، عرب جو آج اپنے سروں پر بادشاہی کا تاج سجائے بیٹھے ہیں اور دیگر نام نہاد مسلمان حکمران) کی پشت پناہی سے گزشتہ 70 سالوں میں فلسطینیوں کا قتلِ عام کرکے ان کی پوری نسل تباہ کردی ہے، جو تاریخ کا بدترین قتلِ عام کہلاتا ہے۔ فلسطینی تنہا اپنی بقا کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ اسرائیلی وزیراعظم نیتن یاہو کہتا ہے کہ: ''وائٹ ہاؤس میں آنے والے امریکی صدور میں سے ٹرمپ اس کا عظیم ترین دوست ہے۔'' جس نے ان کے حیوانی اقدامات اور غیر قانونی ریاست کو باقاعدہ تحفظ فراہم کیا ہے۔ دسمبر 2017ء میں ٹرمپ نے تل ابیب سے سفارت خانہ یروشلم منتقل کرکے گٹھوٹ کو عملی جامہ پہنانے کا آغاز کردیا تھا۔ اسرائیل کے گولان کی پہاڑیوں اور دریائے اُردن کے مغربی کنارے پر ناجائز قبضے کو بھی تحفظ دیا گیا ہے، جس سے فلسطینیوں میں شدید غم اور غصہ پایا جاتا ہے۔ مسئلے کو سلامتی کونسل میں اٹھانے کے بجائے اکثر سربراہان نے امریکا کے اس یک طرفہ فیصلے کی شدید مذمت کی ہے، لیکن امریکی صدر نے روسی صدر ولادی میر پیوٹن کے خیالات سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے نیتن یاہو کو اگلے ہی روز یعنی 28/جنوری کو ماسکو روانہ کردیا تھا۔ پیوٹن نے تبصرہ کیے بغیر اسے واپس لوٹا دیا۔ گویا طاغوتی طاقتوں نے 70 سال قبل جس گھناؤنی سازش کی شروعات کی تھیں، ٹرمپ نے آج ڈھٹائی کے ساتھ اسے حتمی شکل دے دی ہے۔

بقیہ اور آئی ایم ایف مان گیا

افغانستان میں امن اور امریکی فوجوں کے جزوی انخلا کو پاکستانی مقتدرہ نے نسبتاً بہتر انداز میں استعمال کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ IMF اور FATF کے محاذوں پر کامیابی ہوتی ہوئی نظر آرہی ہے۔ یہ ایک انتہائی محدود موقع ہے، جس کا فائدہ اٹھالیا گیا تو ممکن ہے کہ آنے والے سال میں پاکستانی سود کی ادائیگی کے علاوہ کچھ اَور بھی کرپائیں گے۔

www.rahimia.org

خطبات و بیانات

رپورٹ: سیّد نفیس مبارک ہمدانی، لاہور

دائمی زندگی میں اعمال کے نتائج

21/فروری 2020ء کو حضرت اقدس مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے ادارہ رحیمیہ لاہور میں جمعۃ المبارک کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''معزز دوستو! انسان کی زندگی محدود نہیں ہے۔ اس نے اپنی زندگی میں بہت لمبا اور طویل سفر طے کرنا ہے۔ یہ اس دنیا میں بھی پچاس، ساٹھ، سو سال کی زندگی ہے اور موت کے بعد بھی اس کی قبر کی زندگی ہے۔ پھر حشر میں پیش ہونا ہے۔ پھر آگے جنت اور جہنم کے معاملات ہیں۔ اس لیے انسان ان تمام مراحل میں کامیاب ہوتا ہے تو وہ ایک کامیاب انسان شمار ہوتا ہے۔ اور اگر تھوڑے وقت کی کامیابی ہو اور زیادہ وقت وہ کسی مصیبت میں مبتلا رہے تو یہ انسانیت کی کامیابی نہیں ہے۔

دنیا کی زندگی میں انسان ایسا کوئی کام نہیں کرتا کہ جس کی وجہ سے چند مہینے یا سال کی تو فراخی ہو اور باقی زندگی مصیبت میں کٹے، بلکہ وہ ایسے کام کرتا ہے، جس کے نتیجے میں کم از کم پچاس ساٹھ سال تک زندگی کے مراحل میں ترقی یافتہ اور کامیابی کی منازل حاصل ہوں۔ مثلاً شروع زندگی میں لوگ پندرہ سولہ سال تعلیم حاصل کرتے ہیں یا کوئی ہنر اور فن سیکھتے ہیں، جس کے نتیجے میں اعلیٰ ڈگری اور اعلیٰ ملازمت حاصل کرتے ہیں اور پھر ساری زندگی اُس کا پھل کھاتے ہیں۔ لیکن جس نے اپنی تعلیم کے زمانے میں غفلت برتی، جاہل رہا، کوئی ہنر نہیں سیکھا، کوئی علم و شعور نہیں سیکھا تو وہ زندگی بھر پچھتاتا ہے، دھکے کھاتا ہے۔ اِدھر اُدھر کی مصیبتوں میں مبتلا رہتا ہے۔

ایسے ہی اس بات کا احساس اور ادراک کرنا ہے کہ ہماری موت کے بعد کے مراحل بھی ہیں۔ دنیا کی زندگی چند سال کی ہے۔ یہی وہ پیریئڈ ہے، جس میں کیے ہوئے کاموں کا نتیجہ موت کے بعد کے مراحل میں ظاہر ہوگا۔ گو اگلی زندگی کے مقابلے میں یہ مدت بہت تھوڑی ہے، لیکن اس زندگی کی بنیاد پر ہی آخرت کی زندگی کا فیصلہ ہوگا۔

آپ جب ڈگری حاصل کر لیتے ہیں، یا کسی کمپنی میں کوئی تجربہ حاصل کرتے ہیں تو وہ آپ کے سی وی میں جڑتا چلا جاتا ہے۔ آئندہ جہاں بھی آپ ملازمت کے لیے کوشش کرتے ہیں تو وہ پورا تجربہ اور مہارتیں آپ کی صلاحیتوں کو اُجاگر کرنے کے حوالے سے بڑا بنیادی کردار ادا کرتی ہیں۔ ایسے ہی دنیا میں انسان بالغ ہونے سے لے کر آخر عمر تک جو اعمال کرتا ہے، تو وہ اس کی روح کے ساتھ جڑتے چلے جاتے ہیں کہ اُس نے اپنے نفس میں کیا مہارت پیدا کی؟ کیا جھوٹ بولنے، ظلم کرنے، بداخلاقی اور انسانی حقوق توڑنے، چور اُچکا بننے، قوم کا مال لوٹنے اور کھانے، اجتماعی حقوق توڑنے، انسانیت کو نقصان پہنچانے کی عادت بنائی؟ یا سچ بولنے، عدل کرنے، لوگوں کے لیے خوش حالی کا نظام قائم کرنے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق کو مضبوط کرنے کے حوالے سے اپنے نفس کو تیار کیا؟ موت کے بعد انھیں اعمال کی بنیاد پر انسان کی ترقی یا تنزلی کا فیصلہ ہوگا۔''

حزب اللہ، حزب الشیطان اور فطرتِ انسانی

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

''انسان کا کسی نہ کسی نظریے کے تحت زندگی گزارنا بہت ضروری ہے۔ دنیا میں نظریے صرف دو ہی ہیں: ایک انسانی نظریہ اور ایک انسان دشمن نظریہ۔ اوّل الذکر نظریے کے حاملین کو اللہ تعالیٰ نے ''حزب اللہ'' اور دوسروں کو ''حزب الشیطان'' کہا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آپ کا نظریہ کون سا ہے؟ اگر آپ کا نظریہ اللہ کے ڈر سے مخلوقِ خدا کی خدمت کرنے کا ہے تو یہ حزب اللہ سے تعلق رکھتا ہے، جو اصل انسانیت کو محفوظ رکھنا اور اُسے ترقی دینا چاہتا ہے۔ انسانیت کے حقوق ادا کرنا' مخلوقِ خدا کو بچانا ہے۔ مخلوقِ خدا کو بچانے والا اللہ کا محبوب ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اُس انسان سے محبت رکھتے ہیں جو اُس کی مخلوق کے لیے خدمات سرانجام دیتا ہے۔ کیوں کہ ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔ جب وہ اللہ کے کنبے کی خدمت کا کام کرتا ہے، تو اللہ اس سے محبت کرتے ہیں۔

اس کے مقابلے میں اگر کوئی آدمی حزب الشیطان کا نظریہ رکھتا ہے اور وہ تمام کام کرتا ہے، جو انسانیت سے متصادم ہیں۔ انسانیت کا اجتماعی ضمیر جنھیں برداشت نہیں کرتا مثلاً قتلِ انسانیت کا ارتکاب کرنا، چوری کرنا، ڈاکہ ڈالنا، کسی کے حقوق توڑنا، جھوٹ بولنا، بہتان تراشی کرنا وغیرہ تمام وہ کام ہیں، جس پر پوری انسانیت کا اتفاق ہے کہ یہ انسانی اعمال نہیں ہیں۔ اگر کوئی انسان یہ اعمال کر رہا ہے تو اس کا تعلق حزب الشیطان سے ہے۔ اُس پر شیطان مسلط ہے۔ اسی کے بارے میں اللہ نے کہا: اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ (19:58) کہ ان پر شیطان نے تسلط حاصل کر لیا ہے۔ اس کی شکل وصورت گو انسانوں والی ہے، لیکن اس کی روح، دل و دماغ اور پورے وجود پر شیطان مسلط ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ (19:58) شیطان نے ان کو اللہ کی یاد بھلا دی ہے۔

انسان کی فطرت کا تقاضا تو یہ ہے کہ وہ اللہ کی یاد اپنے دل میں پیدا کرے۔ اللہ کے تعلق سے وہ انسانیت کی خدمت کے لیے کام کرے۔ اللہ کا ذکر 'قرآن حکیم' ہے۔ جس میں اللہ کو یاد کرنے، سچ بولنے، لوگوں کو عدل وانصاف فراہم کرنے، انھیں امن دینے کی ذمہ داریاں مسلمانوں پر عائد کی گئی ہیں۔ انھیں ادا کرنا ضروری ہے۔ جو اللہ کے اس ذکر کو بھول گیا، اس پر غفلت اور نسیان طاری ہو گیا۔ یاد رہے کہ شیطان' انسان کی کیمسٹری نہیں بدل سکتا کہ پورے انسان کو مکمل طور پر انسانی شکل وصورت سے نکال کر اپنے رنگ میں رنگ کر شیطانِ اعظم کی نسل اور اُسے جنات میں سے بنا دے۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ شیطان انسان کی روحِ حیوانی پر سواری کر کے اس پر تسلط حاصل کر لیتا ہے۔ حال آں کہ انسان کی روحِ حیوانی پر سواری تو اس کی روحِ ملکوتی کی ہونی چاہیے، جو اللہ کی طرف سے نورانی نقطہ ہے۔ وہ نورانی چپ (chip) جو اللہ میاں نے اس کی روح کے اندر لگائی ہے، جس کی وجہ سے یہ انسان بولتا ہے، چلتا پھرتا ہے، انسان کہلانے کا مستحق ہے، جس کی وجہ سے اس کو اللہ نے اپنی خلافت دی ہے۔''

www.rahimia.org

دین کے غلبے کا نظریہ اور منشاءِ الٰہی

حضرت آزادرائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

''ارشادِ ربانی ہے: كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیْ ؕ (21:58) (اللہ نے یہ بات لکھ دی ہے کہ کامیابی صرف اور صرف مجھے اور میرے رسولوں کو ہے۔) شیطانی اور طاغوتی قوتیں غالب نہیں آسکتیں۔ ان کا بنایا ہوا نظام ٹوٹے گا۔ یہ ذلیل اور رُسوا ہوں گے۔ آپ دیکھئے! یہ آیاتِ مبارکہ ''حزب اللہ'' یعنی صحابہؓ کے بارے میں نازل ہوئیں کہ جنھوں نے اعلیٰ مقاصد اور اعلیٰ نظریے کے لیے اپنے باپوں سے، اپنے بھائیوں سے، اپنے عزیز واقارب سے، اپنے رشتہ داروں سے مقابلہ کیا، اُن سے مزاحمت کی۔ اللہ کی محبت اور کل انسانیت کے بچاؤ کے لیے تمام شیطان صفت ابوجہل، عتبہ، شیبہ کو راستے سے ہٹایا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شیطانی جماعت وجود میں آتی ہے تو اللہ اور اُس کے رسول کے احکامات کے مطابق ''حزب اللہ'' کی بنیادی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اللہ کی اُس جماعت کے تمام اعمال کو غالب کرنے کے لیے جدوجہد اور کوشش کریں۔

اللہ نے بڑی تاکید کے ساتھ کہا: ''لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیْ ؕ'' کہ میں اور میری رسولوں کی جماعت ضرور بالضرور غالب آئے گی۔ مسلمان غلبے کے نظریے سے کام کریں گے تو غالب آئیں گے۔ اگر نظریہ غلبے کا نہ ہو، مغلوبیت ہو، ہم کہیں کہ چوروں اور لٹیروں نے حکومتوں پر قبضے کر لیے تو اب ہم کیا کریں! نظام ہی ایسا ہے، اب ہم کچھ نہیں کر سکتے، تو یہ کوئی نظریہ نہیں ہے۔ جب کہ اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غلبے کا ایک نظریہ دیا ہے اور غلبے کی سوچ دی ہے۔

جس طرح سوسائٹی میں بیماریاں پھیل رہی ہوں تو ایک پرعزم ڈاکٹر غلبے کے نظریے سے کام کرتا ہے کہ مجھے اس وائرس کا مقابلہ کرنا ہے، مزاحمت کرنی ہے، اس وبائی عمل کو پورے طور پر توڑنا ہے تو وہ ان بیماریوں کو ختم کر سکتا ہے۔ لیکن اگر ڈاکٹر ہاتھ پر ہاتھ دھر کر کہے کہ مقدر میں لکھا تھا کہ وائرس آئے گا، ہم مریں گے اور لاکھوں کروڑوں مریں گے، تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ مرنے کے لیے بیٹھ جائیں۔ اس سے بڑی سادگی کی بات کیا ہوگی۔ غلبے کا نظریہ تو یہ ہے کہ پوری قوم اس طاغوتی وائرس کی آفت کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو جائے، تب ہی وہ ظالمانہ وائرس کو شکست دے سکے گی اور اُسے کامیابی ملے گی۔

حضرت امیر معاویہؓ نے نبی اکرمؐ کی راویت بیان کی ہے کہ: "**الإسلام یعلُو و لایُعلٰی علیه**" (سنن دار قطنی: 1126) اسلام غالب آتا ہے، بلندی چاہتا ہے، وہ مغلوبیت اور مرعوبیت کو قبول نہیں کرتا۔ آپ بتلایئے کہ جس اسلام کی بنیادی تعلیم یہ ہے، وہاں مغلوبیت کا نظریہ اپنانا، دین اسلام کے غلبے کی سوچ نہ ہونا اسی کو تو قرآن نے کہا ہے کہ یہ حزب الشیطان ہے۔ یعنی ایسا مافیا، ایسا گروپ، ایسی پارٹی ہے، جو شیطانی نظریے پر وجود میں آجائے۔ آج جو مغلوبیت، مرعوبیت، ظلم کا ساتھ دینے اور اس ظالمانہ سسٹم میں آلہ کاری کی خرابی پیدا ہو چکی ہے، اس نے پورے ملک اور قوم کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔''

قرضوں کی معیشت اور نا امیدی کا قوم پر تسلط

حضرت آزادرائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۷﴾ (87:12) (بے شک نا امید نہیں ہوتے اللہ کے فیض سے، مگر وہی لوگ جو کافر ہیں)۔ کافر قوم مایوس ہوتی ہے۔ مسلمان مایوس نہیں ہوتا، بلکہ وہ تو اپنے لیے مشکلات میں سے راستہ نکالتا ہے۔ کامیابی کے لیے جدوجہد کرتا ہے۔ غلبے کی سوچ کے ساتھ کردار ادا کرتا ہے۔ ایک بہتر نتیجہ پیدا کرتا ہے۔ دنیا کے اعمال ریکارڈ ہو رہے ہیں کہ تم نے کہاں مایوسی کا مظاہرہ کیا، کہاں بزدلی دکھائی، کہاں پست نظریہ اختیار کیا۔

یہ بھی یاد رکھو کہ اپنے ہاتھ سے صرف چوری، ڈاکہ وغیرہ کرنا ہی جرم نہیں، بلکہ چوروں کی پارٹی میں ووٹ دینا بھی جرم ہے۔ چوروں کے مقابلے میں بزدلی دکھانا بھی جرم ہے۔ حضورؐ نے بزدلی سے، بخل اور قرضے سے پناہ مانگی ہے کہ قرضے کا بوجھ نہ آئے۔ ہمارے ہاں قرضے مسلط کرنے کے لیے فلاسفی گھڑی جاتی ہے۔ حکمرانوں سے کہا جائے کہ قرضہ بڑھ گیا تو وہ کہتے ہیں کہ پچھلی حکومت نے تو اتنا قرضہ لیا تھا، اُس سے پچھلی نے اتنا لیا تھا، اور اس سے پچھلی نے اتنا۔ ان کے اعداد و شمار بیان کریں گے، لیکن اپنا ذکر نہیں کریں گے کہ ہم نے کتنا قرض لیا۔ حضورؐ تو قرضوں سے پناہ مانگیں اور ''اسلامی جمہوریہ'' میں بہتر سالوں سے قرضوں کی معیشت مسلط ہے۔ اس قرضوں کی معیشت کو ختم کرنے کے لیے کوئی اقدام نہیں ہے۔

حضورؐ نے تو سستی اور کاہلی سے پناہ مانگی، حال آں کہ حضورؐ کی اپنی ذاتِ گرامی میں نہ تو کوئی سستی تھی، نہ کاہلی تھی، نہ بزدلی تھی، نہ ہی مقروض ہونے کی یہ حالت تھی کہ قرضے کی وجہ سے اپنا نظریہ چھوڑ دیں۔ آپؐ نے یہ پناہ اُمت کو سکھانے کے لیے مانگی کہ لوگ سیکھیں کہ وہ اس طرح کی عادات اور رویوں کو مت اپنائیں۔ ان سے برأت کا اعلان کریں۔ آج یہ بزدلی، یہ سستی، یہ کاہلی، یہ قرضوں کی معیشت، یہ تمام خرابیاں ہم نے قبول کر کے اس کے اوپر اسلامی جمہوریہ پاکستان کی مہر لگا دی۔ گویا جو ''اسلامی جمہوریہ'' ہوگا، وہ مقروض بھی ضرور ہوگا، وہ بزدل بھی ضرور ہوگا۔ وہ سست اور کاہل بھی ہوگا۔ وہ مقابلہ کرنے کی صلاحیت بھی نہیں رکھے گا۔ وہ اپنے مافیاز کو لگام دینے کی صلاحیت بھی نہیں رکھے گا۔ اس سے بڑی خرابی اور کیا ہو سکتی ہے؟

آج ہمیں نظریہ درست کرنا لازمی اور ضروری ہے۔ ورنہ غلط لوگوں کے ساتھ شامل ہونے کی وجہ سے ہماری روحوں میں ہماری بداعمالیوں کا جو ڈیٹا جمع ہو رہا ہے، اس کا بڑا سخت نتیجہ نکلنے والا ہے۔ اگر اللہ چاہے تو دنیا میں بھی ذلت اور رُسوائی کا سخت نتیجہ نکلتا ہے اور نکل رہا ہے کہ ہر سال ہمارے حکمران آئی ایم ایف کے سامنے کشکول لے کر چل پڑتے ہیں۔ جب صورتِ حال ایسی ہو تو دنیا کی ذلت بھی ہے اور آخرت کی ذلت بھی ہے۔ دنیا کی ذلتوں کا مجموعہ آخرت کی ذلت ہے۔ دنیا کی خرابیوں کا مجموعہ آخرت کی خرابی ہے۔ اور دنیا کی مجموعی کامیابیوں کا نتیجہ آخرت کی کامیابی ہے۔''

www.rahimia.org

عظمت کے مینار

وسیم اعجاز، کراچی

شہیدِ مالٹا مولانا حکیم سیّد نصرت حسینؒ

تحریکِ شیخ الہند نے برعظیم کی آزادی میں جو کردار ادا کیا ہے، اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بہ خوبی لگایا جاسکتا ہے کہ ایک صدی قبل جاری رہنے والی اس تحریک میں جن حریت پسندوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، انھوں نے تادمِ آخر اس وابستگی کو نبھایا اور تحریک کے کسی بھی موڑ پر اپنے اکابرین کو اکیلا اور تنہا نہیں چھوڑا۔ بسا اوقات ایسے مواقع بھی آئے کہ سامراج کی جانب سے پیش کشیں بھی کی گئیں کہ اس کے لیے جاسوسی کی جائے، لیکن حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی تحریک کے کارکنوں نے اپنی جان کے نذرانے تو دے دیے، لیکن اغیار کے سامنے شکست کو تسلیم نہ کیا۔

اس تمام حقیقت کے ساتھ ساتھ حضرت شیخ الہندؒ کی قیادت اور شخصیت کا بھی یہ اثر تھا کہ جو کوئی ایک بار حضرتؒ سے وابستہ ہو جاتا تھا تو ان سے دور جانے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ انھیں حضرات میں ایک نمایاں نام شہیدِ مالٹا حکیم سیّد نصرت حسینؒ کا بھی ہے۔

حکیم نصرت حسینؒ کی پیدائش کوڑہ جہان آباد (Kora Jahanabad)، ضلع فتح پور، یو۔پی میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے آبائی علاقے میں حاصل کرنے کے بعد مزید تعلیم کے لیے دیوبند تشریف لے گئے۔ دیوبند میں حکیم صاحبؒ کی ملاقات اس وقت کے عظیم مجاہد اور لیڈر حضرت شیخ الہندؒ سے ہوئی تو حضرت شیخ الہندؒ کی اپنی قوم کے لیے کی جانے والی جدوجہد سے بے انتہا متاثر ہوئے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ آخری سانس تک ساتھ نبھایا۔ علمِ حدیث وغیرہ کی تعلیم دارالعلوم دیوبند سے حاصل فرمائی۔ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے ساتھ شریکِ کلاس تھے۔ تعلیم کی غرض سے لاہور، کانپور، دہلی وغیرہ کے اسفار بھی کیے۔ دیوبند سے تکمیل کے بعد لکھنؤ میں طب کی تعلیم حاصل کی اور اس شعبے میں ایسی مہارت حاصل کر لی کہ ''حکیم'' ان کے نام کا حصہ اور پہچان بن گیا۔

حکیم صاحبؒ کے خاندان کا ذریعۂ معاش چوں کہ زمین داری تھا، اس لیے طب کے ساتھ ساتھ زمینوں کے انتظامات میں بھی مصروف رہتے تھے۔ جس زمانے میں طب کی تعلیم حاصل کر رہے تھے، اسی زمانے میں ہی انگریزی زبان سے بھی واقفیت پیدا کر لی۔ انگریزی زبان کی یہ تعلیم مختلف اسفار کے دوران ان کے لیے سہولت کا باعث بھی بنی۔

طبیعت میں انتہا درجے کی سنجیدگی کی وجہ سے فضولیات سے ہمیشہ کنارہ کش رہے۔ دینِ اسلام اور مسلمانوں کی حالتِ زار دیکھ کر ہمیشہ کُڑھتے رہتے تھے۔ قوم کی آزادی کی فکر دامن گیر رہتی تھی۔ اپنے حلقۂ احباب میں سے جو بھی ملتا، اس سے ملکی حالات لازمی زیرِ بحث لاتے تھے اور اپنی ملکی، قومی و ملّی ذمہ داریوں کے حوالے سے کردار ادا کرنے کے لیے خود بھی تیار رہتے تھے اور دوسروں کو بھی اجتماعی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی ترغیب دیا کرتے تھے۔

حکیم نصرت حسینؒ حجِ بیت اللہ کے ارادے سے جب ہندوستان سے روانہ ہوئے تو مکہ معظّمہ میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ سے ایک بار پھر ملاقات ہوئی۔ حضرتؒ ہی کے ساتھ مکہ معظّمہ سے مدینہ منورہ پہنچے۔ پھر حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ ہی اقامت اختیار کر لی، جو دوسرے مرحلے میں رفاقت بن گئی۔

مکہ معظّمہ میں جب حضرت شیخ الہندؒ کو گرفتار کرنے کے لیے پولیس پہنچی تو حضرت شیخؒ قیام گاہ پر موجود نہ تھے۔ حکیم نصرت حسینؒ اور مولانا عزیز گلؒ وہاں موجود تھے۔ ان دونوں کو حکم دیا کہ جہاں سے ممکن ہو، مولانا کو حاضر کرو اور ان کی آمد تک یہاں مقید رہو گے۔ جب شام تک مولانا شیخ الہندؒ کا پتہ نہ چلا تو شریفِ مکہ نے حکم دیا کہ: ''اگر عشا کے وقت تک مولانا نہ ملیں تو ان دونوں کو گولی مار دو!'' لیکن حضرت شیخ الہندؒ اچانک شام سے پہلے تشریف فرما ہوئے تو ان چاروں حضرات (حضرت شیخ الہندؒ، حکیم سیّد نصرت حسینؒ، مولانا عزیر گلؒ اور مولانا وحید احمد مدنیؒ) کو گرفتار کر کے اونٹوں پر سوار کر کے جدہ روانہ کر دیا گیا۔ اسی دوران حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ نے بھی گرفتاری دے دی۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے اس گرفتاری کے بارے میں لکھا ہے کہ: ''جب مصر میں ان کو کال کوٹھڑیوں میں رکھا گیا اور بیان کے لیے ہر ایک کو علاحدہ لے جایا گیا۔ ان سے بیانات لیے گئے تو آخر میں حکیم سیّد نصرت حسینؒ کو بلایا اور ان سے کہا کہ: ''تمھاری نسبت ڈائری میں کچھ بھی تحریر نہیں ہے۔'' تو انھوں نے کہا کہ:

''میں مولانا کا شاگرد ہوں اور مجھ کو مولانا کے اَحوال اور اُن کے بدخواہوں کے احوال سے واقفیت ہے۔''

غرض یہ کہ شریف اور اس کی حکومت کے متعلق اور گورنمنٹ سے شریفِ مکہ کے تعلقات کے بارے میں انھوں نے بالکل خیر خواہانہ طریقے پر خوب تفصیلی اور نپا تلا بیان دیا۔ مولانا حکیم سیّد نصرت حسینؒ زمین دار ہونے کی وجہ سے مقدمے بازی، قانونی زبان اور ان کی پیچیدگیوں سے بھی بہ خوبی واقف تھے اور انگریزی بھی جانتے تھے۔ آخر کار ان کو بھی کوٹھڑی میں سب سے آخر میں بھیجا گیا۔ مولانا موصوفؒ نے قید سے جان چھڑانے کے بجائے حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ رہنا قبول کیا۔

اَسارت کے دوران دیگر احباب کے ساتھ ساتھ حکیم صاحبؒ کی صحت پر بھی بُرے اثرات پڑنا شروع ہوئے اور نزلہ و بخار کی کیفیت سے دوچار ہو گئے۔ اس مرض نے شدت اختیار کر لی۔ علاج معالجے کے باوجود مرض نے بڑھ کر نمونیہ کی شکل اختیار کر لی۔ اسی حالت میں ۹ر ذوقعدہ ۱۳۳۶ھ/16ر اگست 1918ء کو جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ حضرت شیخ الہندؒ نے ان کے وصال پر انھیں ''رفیقِ جاں نثار'' کہہ کر مخاطب فرمایا۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور تدفین مالٹا کے قبرستان میں عمل میں لائی گئی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان بزرگوں کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین!)

www.rahimia.org

ملائشیا میں فکرِ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا فروغ

تحریر: محمد طاہر حنیف، ملائشیا

(امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے حرمِ مکی میں بارہ سال اپنے قیام کے دوران جن علما اور فضلا کو تفسیرِ قرآن حکیم اور امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے علوم و معارف پر مشتمل کتابوں کی تعلیم و تربیت دی، اُن میں ملائشیا کے مفتیٔ اعظم حاجی مفتی وان موسیٰ کے دو صاحب زادگان حاجی نیک عبداللہ اور حاجی نیک محمد صالح بھی تھے۔ مفتی وان موسیٰ کو حرمِ نبویؐ میں قیام کے دوران حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بشارت کے ذریعے ولی اللّٰہی علوم و معارف کی طرف متوجہ کیا تھا۔ اس لیے انھوں نے اپنے دونوں صاحب زادوں کو ولی اللّٰہی علوم و معارف سیکھنے کے لیے حضرت سندھیؒ کے پاس بھیجا۔ ان دونوں حضرات نے ملائشیا میں ولی اللّٰہی علوم و معارف کے فروغ کے لیے کردار ادا کیا۔ زیرِ نظر مضمون ان حضرات کے تعارف پر مبنی ہے۔ ملائشیا کی پیٹرو ناس یونیورسٹی میں زیرِ تعلیم محمد طاہر حنیف نے وہاں ان حضرات کے شاگردوں سے حاصل معلومات قلم بند کی ہیں۔ مدیر)

حاجی مفتی وان موسیٰ بن عبدالصمد (1939-1875ء) ملائشیا کے مشہور علما میں سے تھے۔ آپ یہاں کی رائل فیملی سے تعلق رکھتے تھے اور آپ کی پیدائش ''کوٹا بارو'' کلانتن، ملائشیا (Kota Baru kalantan, Malaysia) میں ہوئی۔ آپ اپنے وقت کے اعلیٰ پائے کے مفتیانِ کرام میں سے ایک تھے۔ آپؒ ملایا (Malay) کے ان علما میں سرِفہرست تھے، جو مجمع الجزائر (Archipelago) میں جدید دور کے تقاضوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے اسلام کی تعلیمات پھیلا رہے تھے۔ ''آرکپیلاگو'' کا لفظ عمومی طور پر کسی بھی سمندر میں واقع جزائر کے مجموعے کے لیے استعمال ہوتا ہے، جو کہ آتش فشانی عمل کے نتیجے میں وجود میں آئے۔ آرکپیلاگو پر مشتمل یہ ریجن (انڈونیشیا، ملائشیا، وغیرہ) عربوں اور چائنیز کے تجارتی راستے پر واقع ہونے کی وجہ سے عربوں، چائنیز اور انڈینز کے بین الاقوامی آئیڈیاز اور کلچرز کو بھی سموئے ہوئے تھا۔

اس وقت کے علما اپنے علم کی پیاس بجھانے اور جدید علوم سیکھنے کے لیے مکہ مکرمہ اور جامعۃ الازہر مصر کا رُخ کرتے، جہاں وہ پرشین (Persian)، رومن (Roman) اور ترکش (Turkish) کلچر اور آئیڈیاز کے مطالعے سے بھی روشناس ہوتے تھے۔ اس بین الاقوامی کلچر، آئیڈیاز، سیاست اور مذہب کے مطالعے نے ان علما کو ''آرکپیلاگو'' میں معتبر شخصیات کا مرتبہ دے دیا۔ مفتی وان موسیٰ بھی انھیں مفتیانِ کرام میں سے ایک تھے۔ آپ کا جھکاؤ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تعلیمات کی طرف زیادہ تھا۔ وہ اسی سوچ اور فکر کو ''آرکپیلاگو'' میں فروغ کا نظریہ رکھتے تھے۔ آپؒ نے اپنے بچوں میں بھی اسی سوچ اور نظریے کو منتقل کرنے کے لیے اس وقت کے بہترین علما کی خدمت میں بھیجا۔

آپؒ نے اپنے بیٹے نیک عبداللہ بن وان موسیٰ کو 1926ء میں مکہ مکرمہ میں علوم کے حصول کے لیے بھیجا۔ چناں چہ چار سال (1930-1926ء) شیخ عمر عمدان کے زیرِ سایہ رہے اور ان سے علم کی پیاس بجھاتے رہے۔ اس کے بعد امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے پاس چار سال کا عرصہ گزارا اور اُن سے ولی اللّٰہی علوم پڑھے۔ اسی دوران (1930ء میں) انھوں نے مولانا سندھیؒ سے تفسیر پڑھی اور ''الفرقان فی تفسیر القرآن'' کے عنوان سے قلم بند کی۔ پھر آپؒ 1934ء میں واپس کلانتن ملائشیا آ گئے اور آپؒ نے اسی سوچ اور تعلیمات کو ملائشیا میں فروغ دینا شروع کر دیا۔ اُن کی وفات 24/مئی 1935ء کو ہوئی۔ نیک عبداللہ وان موسیٰ کی وفات کے بعد اُن کے والدِ محترم مفتی وان موسیٰ نے اپنے تین بیٹوں حاجی نیک محمد صالح، نیک محمود اور حاجی نیک محمد محی الدین کو علم کے سلسلے میں 1936ء میں پہلے مکہ مکرمہ اور پھر انڈیا کے لیے روانہ کیا۔

حاجی نیک محمد صالح نے ملائشیا میں اپنے بھائی شیخ عبداللہ سے ولی اللّٰہی علوم پڑھنے شروع کیے تھے۔ چناں چہ انھوں نے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتاب ''المسوّٰی من أحادیث المؤطّا'' کی جلد اوّل اپنے بھائی حاجی محمد عبداللہ مہتمم مدرسہ محمدیہ سے پڑھی۔ پھر وہ 1936ء میں مکہ مکرمہ پہنچے۔ وہاں انھوں نے اس کتاب کی دوسری جلد شیخ عبدالرزاق مصری سے پڑھی۔ اسی دوران انھوں نے مولانا عزیز احمد (خادم اور ربیب حضرت سندھیؒ اور برادرِ گرامی حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ) سے استفادہ کیا۔ پھر اپنے والدِ گرامی سے دارالعلوم دیوبند ہندوستان جانے کے سلسلے میں اجازت چاہی تو انھوں نے امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ سے مشورے کا حکم دیا۔ چناں چہ حضرت سندھیؒ نے انھیں دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کرنے کا مشورہ دیا اور وہاں سے تکمیل کے بعد پھر جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں تعلیم حاصل کرنے کا حکم دیا۔ آپ 1937ء میں دارالعلوم دیوبند انڈیا پہنچ گئے اور تین سال تک علوم کی تکمیل کرتے رہے۔

1939ء میں مولانا عبیداللہ سندھیؒ ہندوستان واپس تشریف لائے تو انھوں نے جامعہ ملیہ دہلی میں ''بیت الحکمت'' قائم کیا۔ نیک محمد صالح نے دارالعلوم دیوبند سے تکمیل کے بعد حضرت سندھیؒ سے مشورہ کیا تو انھوں نے انھیں جامعہ ملیہ دہلی بلا لیا۔ وہ 12/جون 1940ء کو جامعہ ملیہ دہلی پہنچے۔ اس وقت جامعہ کے وائس چانسلر ڈاکٹر ذاکر حسین تھے۔ جامعہ ملیہ میں قیام کے دوران انھوں نے حضرت سندھیؒ سے قرآن حکیم کی تفسیر پڑھی۔ حاجی نیک محمد صالح بہت ہی ذہین و فطین تھے۔ اس درس میں اُن کے ساتھ مزید تین لوگ شریک تھے، جن میں ایک اُن کے بھائی حاجی نیک محمودؒ اور مولانا عبدالرحمٰنؒ اور مولانا محمد نور مکیؒ شامل تھے۔ مولانا سندھیؒ نے انھیں ۳/شوال ۱۳۴۹ھ/ 4/نومبر 1940ء کو قرول باغ میں تفسیر پڑھانا شروع کی۔ پھر ۱۵/شوال/ 16/نومبر کو جامعہ ملیہ اوکھلا میں تفسیری سلسلہ شروع ہوا۔ حضرت سندھیؒ نے پہلے دن ''سورت الفاتحہ'' سے افتتاح کیا اور امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتاب ''التفہیمات الإلٰہیۃ'' میں ایک مکتوب پر مشتمل دعا سے آغاز کیا۔ اس طرح ''الفرقان فی تفسیر القرآن'' کے عنوان سے انھوں نے حضرت سندھیؒ کی املائی تحریر کرنا شروع کر دی۔

www.rahimia.org

Monthly RAHIMIA Lahore CPL No. 59

حاجی نیک محمد صالح نے 1943ء میں جامعہ ملیہ دہلی سے اپنی تعلیم مکمل کی۔ پھر آپ جنگِ عظیم دوم کے دوران واپس کلانتن ملائشیا آ گئے۔ 1946ء میں آپؒ نے اپنے گھر میں ہی امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تعلیمات دینے کا آغاز کر دیا۔ جب لوگ زیادہ ہو گئے تو پھر آپ نے کوٹا بارو، کلانتن ملائشیا میں ''الاصلاح'' کے نام سے ایک سکول کی بنیاد رکھی، لیکن یہ سکول زیادہ دیر چل نہ پایا۔ اس کے بعد مسلسل مختلف مقامات پر آپؒ نے ولی اللّٰہی علوم و معارف کی تعلیم و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ بہت سے شاگرد تیار کیے۔ اس طرح ملائشیا میں حضرت سندھیؒ کے اس عظیم شاگرد نے فکرِ ولی اللّٰہی کے فروغ کے لیے کردار ادا کیا۔ انھوں نے 1971ء میں اس جہانِ فانی سے کوچ کیا۔

اُن کی وفات کے بعد اُن کے بھائی نیک محمود (تلمیذ حضرت سندھیؒ) نے اس فکر اور نظریے کے فروغ کے لیے کام کیا۔ پھر نیک محمد صالح کے بعد ان کے شاگردوں نے اس کام کے فروغ کا بیڑا اپنے سر اٹھالیا۔ جن میں سے استاد زین الدین (1937-2012ء) ہیں، جنھوں نے حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کچھ کتابوں کا مالے زبان میں بھی ترجمہ کیا ہے۔ ان کتابوں میں "حُجّةُ اللّٰهِ البالِغه" اور "الفوز الكبير فی اصول التفسير" قابلِ ذکر ہیں۔ اسی طرح وہ حضرت سندھیؒ سے سنی ہوئی تفسیر "الفُرقان فی تفسير القرآن" کا بھی مالے زبان میں ترجمہ کر چکے ہیں۔ اسی طرح ان کے شاگردوں میں استاد نیک حسن نیک عبداللہ، استاد لقمان بن عبداللطیف، زکریا اسماعیل اور غزالی یوسف ہیں۔ یہ سب حضرات کلانتن ملائشیا سے ہیں۔ استاد زین الدین اور استاد نیک حسن نیک نے "حُجّةُ اللّٰهِ البالِغه" کی دونوں جلدوں کا ترجمہ مالے زبان میں کیا ہے۔

ان حضرات نے ''اسلامک سوسائٹی آف کلانتن'' بھی بنائی ہوئی ہے، جو کہ ملائشین گورنمنٹ سے رجسٹرڈ ہے۔ اس سوسائٹی کی بنیاد 1990ء میں رکھی گئی۔ اس سوسائٹی میں پچاس کے لگ بھگ علما اور فضلا ہیں۔ اس سوسائٹی کے ہیڈ استاد لقمان بن عبداللطیف ہیں۔ ان حضرات کی وجہ سے فکرِ شاہ ولی اللہ کا کام کلانتن ملائشیا میں ہے، جو کہ ابھی تک اسی سٹیٹ تک محدود ہے۔

اس کے علاوہ ملائشیا کی ایک اَور سٹیٹ ''ترینگانوں'' ہے۔ ملائشیا کی اس سٹیٹ میں فکر امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا کام مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے شاگرد استاد عبدالقدیر کے ذریعے پہنچا، جو کہ دارالعلوم دیو بند میں رہے۔ پھر ایک سال مولانا سندھیؒ کے زیرِ سایہ رہے۔ انھوں نے "الهام الرّحمٰن فی تفسير القُرآن" بھی علامہ موسیٰ جار اللہؒ کے نسخے سے کاپی کی، جو کہ ''کوالا، ترینگانوں'' ملائشیا میں محفوظ ہے۔ وہ مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی وفات کے بعد وہ واپس ترینگانوں ملائشیا آ گئے۔ ترینگانوں میں اسی فکر کے فروغ پر کام شروع کر دیا اور ان کے شاگردوں میں سے استاد عبدالعزیز (مرحوم)، استاد اسماعیل (مرحوم) اور تنکو محمد جو کہ ترینگانوں سے ہیں۔ دونوں حضرات نے "تفسير الفُرقان"، "الهام الرّحمٰن" کو اپنے استاد کے نسخوں سے کاپی کر کے محفوظ کر لیا ہوا ہے۔ ملائشیا میں فکر امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے جڑے لوگ اس فکر کو ملائشیا میں فروغ کے لیے کوشاں ہیں۔

دینی مسائل

اس صفحے پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں!

از حضرت مفتی عبدالقدیر شعبۂ دارالافتا ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

سوال ایک شخص کی وفات ہوئی۔ اس کے 7 بیٹے اور 5 بیٹیاں تھیں۔ وفات 18/اکتوبر 2009ء کو ہوئی۔ بیٹوں نے فوراً مال حسابی کر کے بہنوں کو بلایا (جب کہ سب بیٹیوں کی شادی والد صاحب کی وفات سے پہلے ہو چکی تھی)۔ اور کہا کہ آپ بہنوں میں سے ایک بہن کا 280000 مبلغ (دو لاکھ اسّی ہزار) بنتے ہیں۔ اب چوں کہ ہم لوگوں پر 670000 (چھ لاکھ ستر ہزار روپے) قرض ہے، اس لیے قرضہ اُتارنے کے فوراً بعد آپ کو باری باری اپنا حق دیں گے۔ یہ کہنے پر سب بہنوں نے کہا کہ ہم بخش دیتی ہیں۔ ہمیں اپنا حق نہیں چاہیے۔ اس کے بعد بھائیوں نے دس سال محنت کر کے جائیداد کو ترقی دی اور دس سال تک بھائی اکٹھے رہتے رہے۔ اب چوں کہ بھائی آپس میں جدا ہو رہے ہیں اور بہنوں نے بھی حق طلب کیا اور بھائی بھی دینے کے لیے تیار ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ بھائی بہنوں کو مشترکہ مال میں حسابی وقت کا حصہ دیں یا ابھی کا؟ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب درکار ہے۔

جواب صورتِ مسئولہ میں بھائیوں نے مشترکہ طور پر محنت کر کے جو مال حاصل کیا ہے، وہ تمام مال اصل مال میں جو کہ والد کی طرف سے اولاد کو ترکہ میں ملا تھا، شامل کیا جائے گا۔ پھر کل مال سے بھائیوں اور بہنوں کا جو حصہ بنتا ہے، وہ موجودہ وقت کے مطابق تقسیم کر دیا جائے گا۔ کیوں کہ منافع شرعاً اصل زر کا تابع ہوتا ہے، اس لیے منافع اور اصل ترکہ ملا کر آج کے حساب سے ترکہ کی تقسیم ہو گی۔

سوال میرے چچا محمد شاہد شوکت (آف سیالکوٹ) لاولد فوت ہو گئے۔ پس ماندگان میں 1 زوجہ، 4 بہنیں، دو بھتیجے، ایک بھتیجی، دو بھانجے اور ایک بھانجی ہیں۔ مرحوم نے ترکہ میں درجِ ذیل چیزیں چھوڑیں: (۱) مکان، (۲) بینک بیلنس، (۳) محکمے کی طرف سے ادا ہونے والے واجبات، مثلاً گریجویٹی، (۴) جنرل پراوڈنٹ فنڈ، (۵) گروپ انشورنس، (۶) آخری مہینوں کی تنخواہیں، (۷) ڈیتھ گرانٹ، (۸) بیوہ کے لیے ماہانہ پنشن۔ مذکورہ ورثا میں ترکہ کیسے تقسیم ہو گا؟ اور ترکہ میں کون کون سی چیزیں شامل ہوں گی؟ سائل: فہد محمد عدیل، گوجرانولہ

جواب (۱) بعد ادائے حقوق محمد شاہد شوکت کی کل وراثت منقولہ وغیر منقولہ کے کل 24 حصص کیے جائیں گے۔ بیوہ کو 6، چاروں بہنوں کو 4,4 برابر حصے اور دو بھتیجوں 1+1 برابر حصہ ملے گا۔ ایک بھتیجی اور دو بھانجے اور بھانجی عصبہ نہ ہونے کی وجہ سے محروم ہوں گے۔ (۲) ترکہ میں مکان، بینک بیلنس اور محکمے کی طرف سے ادا ہونے والے تینوں کے واجبات سب شمار ہوں گے، البتہ گورنمنٹ کی طرف سے ملنے والی ماہانہ پنشن اور ڈیتھ گرانٹ بیوہ کا حق ہے۔

مدیرِ اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع و ناشر نے اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہ نامہ "رحیمیہ" رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ لاہور سے جاری کیا۔

www.rahimia.org